AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ناول "تنہا" از سلمی اعوان، المیہ مشرقی پاکستان کے تناظر میں (تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر محمد طاہر

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو, ایف سی کالج یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر عتیق انور

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو, ایف سی کالج یونیورسٹی لاہور

Abstract

The dissolution of Pakistan in 1971, which resulted in the secession of its eastern wing as Bangladesh, is the most tragic event in the nation's history. Although international political dynamics played their part, the primary drivers of this separation were internal: profound cultural and linguistic disparities, systemic political marginalization of East Pakistan by the central government (based in the West), and economic neglect.

Salma Awan's novel Tanha tells the story of a young woman who travels from West Pakistan to East Pakistan for her education. This narrative device provides a personal perspective on the escalating crisis.

Through this student's experiences, Salma Awan documents the real-world conditions of the time—the rising cultural tensions, the increasing military presence, and the volatile political environment preceding the civil war. The novel does not merely glorify the independence movement; it presents a complex picture. It acknowledges the legitimate grievances and sacrifices of the Bengali activists while also portraying the confusion, fear, and conflicting loyalties experienced by many, including those from West Pakistan who were present as the situation deteriorated. Thus, Tanha presents a nuanced and realistic narrative of a nation tearing itself apart

کلیدی الفاظ:

المیہ مشرقی پاکستان، لسانی اختلافات، سقوط ڈھاکہ، مکتی باہنی۔ مارشل لا، آئین سازی، ون یونٹ، عوامی لیگ، پارلیمانی نظام، پلٹن میدان، سول نافرمانی،

1947ء میں تقسیم کے وقت بنگال کا

مغربی حصہ ہندوستان میں جبکہ مشرقی حصہ پاکستان میں شامل ہوا۔ جب ون یونٹ کا قیام عمل میں آیا تو بلوچستان، سرحد، پنجاب اور سندھ کو ملا کر 'مغربی پاکستان کے نام سے ایک نیا صوبہ بنا دیا گیا اور مشرقی بنگال کا نام تبدیل کر کے مشرقی پاکستان کر دیا گیا۔ اگرچہ 1906 میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد مشرقی بنگال ڈھاکہ میں رکھی گئی تھی مگر یہ حصہ سیاسی ، سماجی اور ثقافتی طور پر مغربی حصے سے مختلف تھا جو بعد از اں اختلافات کا باعث بنا۔ پاکستان کے ان دونوں حصوں کے درمیان واحد رشتہ مذہب کا تھا جبکہ نسلی اور لسانی لحاظ سے یہ حصے بالکل جدا تھے۔ اس دوری کا فائدہ اٹھانے کے لئے دشمن تیار بیٹھے تھے مگر اپنوں کی غفلت نے بھی ان اختلافات کو ہوا دی۔ اس حوالے سے ان اختلافات کو مٹانے کے لیے

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کسی حدتک کوششیں کی گئیں مگریہ ثقافتی، لسانی اور نسلی فرق پہلے ذہنی اور پھر جغرافیائی علیحدگی کا باعث بن گیا۔ دراصل طبقاتی تقسیم نے بھی اس تفریق کے احساس کو تقویت بخشی اور اسی تقسیم نے رفتہ رفتہ احساس محرومی میں اضافہ کیا۔ اس اختلافی سوچ کے تدارک کے لئے عملی اقدام کے فقدان نے اس صورتحال کو مذید بگاڑ دیا:

"ہمارے یہاں قیام پاکستان کے بعد پاکستانی قومیت کے شعور میں جو تنزل پیدا ہوا اس کی بنیادی وجہ بھی یہ طبقاتی تفریق تھی اور اسی وجہ سے پاکستان کے سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔"1

ازلی دشمن بھارت نے بھی روائتی دشمنی نبھاتے ہوئے علیحدگی پسند بنگالیوں کی کھلے عام سیاسی اور عسکری حمایت کی۔ یوں امت مسلمہ کی سب سے بڑی ریاست دولخت ہو گئی۔ مشرقی حصہ پاکستان سے جدا ہو گیا اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ حالات تو قیام پاکستان سے بگڑنا شروع ہو گئے تھے۔ تاہم لیاقت علی خان بعد تو نا اہلی ایوان اقتدار کا مقدر بن گئی۔ اقتدار کی ہوس اور باہمی ناچاقیوں نے سیاستدانوں کو پاکستان کے متعلق سوچنے سے محروم رکھا۔ سیاسی فیصلے کرتے ہوئے ذاتی مفادات کو مقدم رکھا گیا۔ اہل بنگال کئی دہائیوں سے استحصال کا شکار تھے۔ پاکستان بنا تو امید پیدا ہوئی کہ اب اہل بنگال کے اچھے دن شروع ہو جائیں گے۔ لٹے پٹے پاکستان میں وسائل کی کمی تھی مگر رہی سہی کسر پاکستان کے حکمرانوں نے پوری کر دی۔ مشرقی پاکستان کا حادثہ اچانک نہیں ہوا بلکہ پاکستان کی اس المناک تقسیم میں سب نے حسب توفیق حصہ ڈالا:

"1968 سے 1971ء تک کے عرصہ کو انتشار فکر و نظر کا دور کہا جا سکتا ہے۔ سازشوں کے جال بچھائے جا رہے تھے۔ کوتاہ قد اور کوتاہ فکر قائد قوم کے سر پر مسلط کیے جا رہے تھے۔ سرگوشیاں نعروں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ مشرق میں مغرب کو لوٹ مار کا ذمہ دار اور مغرب میں مشرق کو اقتصادی بدحالی کا سبب قرار دیا جا رہا تھا۔"2

بھارت نے ابتدا سے ہی پاکستان کے قیام کو دل سے تسلیم نہیں کیا- پاکستان کا قیام اکھنڈ بھارت کے تصور کی موت تھی۔ گاندھی جی کی بھارت کی تقسیم کو روکنے کی تمام کاوشیں اکارت گئی تھیں۔ نہرو اور دیگر ہندو لیڈروں کی ریڈ کلف سے مل کر تقسیم کے فارمولے کو سبوتاژ کرنے کا منصوبہ بھی فلاپ ہو چکا تھا۔ لاکھوں مہاجرین کو زبردستی پاکستان میں دھکیل کر پاکستان کو معاشی طور پر مفلوج کرنے کی سازش بھی کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ پھر ایسے میں بھارتی منصوبہ سازوں نے مشرقی بنگال کو پاکستان سے جدا کرنے کی صف بندی کر لی۔ ہندوستان کے پالیسی سازوں نے آغاز سے ہی مشرقی پاکستان کو توڑنے کے مذموم عزائم کو بروئے کار لاتے ہوئے سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ قیامِ پاکستان کے 24 سال بعد سقوطِ ڈھاکہ کی صورت میں نکلا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہندوستان نے تمام غیر اخلاقی اور غیر سفارتی ہتھکنڈے آزمائے۔ ہندوستان نے بین الاقوامی اصولوں کو پس پشت ڈال کر ایک ایسی مسلح تنظیم "مکتی باہنی" تشکیل دی جس نے اپنوں کا روپ دھار کر آزادی کے نام پر بھارتی عزائم کے لئے کام کیا۔ مکتی باہنی کے پیچھے بھارتی سرمائے کے ساتھ ساتھ عسکری امداد بھی تھی۔ مکتی باہنی نے بھارت کے ایما پر مشرقی پاکستان میں دہشت و بربریت کو سیاسی ہتھیار بنایا۔ پاکستان کے حمائتیوں اور پاکستان سے محبت کرنے والے کو چن چن کر قتل کیا گیا۔ اس تنظیم میں بڑی تعداد میں بھارتی ایجنٹ شامل تھے۔ مکتی باہنی نے بھارتی ایجنڈے پر عمل کرتے ہوئے دہشت گرد کارروائیاں کیں۔

"ایک بھارتی میجر جنرل مکتی باہنی کی تربیت کا انچارج بنایا گیا تھا- مکتی باہنی کے افسروں کو باقاعدہ بھارتی فوجی اداروں میں تربیت دی جاتی تھی، جس میں بھارتی فوج کی ملٹری اکیڈمی ڈیرہ دون بھی شامل تھی- بھارتی فوجی انجینئر انہیں بارودی سرنگوں اور دھماکہ خیز مواد کی تربیت دیتے تھے- انہیں مارٹر بموں، مشین گنوں اور وائرلیس سیٹوں کے استعمال کی بھی تربیت دی جاتی تھی“3

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مکتی باہنی نے مشرقی بنگال میں قتل و غارت کا بازار گرم کرر کھا تھا۔ اگرچہ یہ کہا گیا مگر مکتی باہنی کوئی علاقائی تنظیم نہیں تھی۔ بھارتی عسکری اداروں سے وابستہ لوگ اس میں شامل تھے جو خاص مقاصد کے لئے بنگالیوں میں تشدد پسندی کو ابھارنے کے ساتھ ساتھ محب وطن شہریوں کو بے دردی سے مار دیتے تھے۔ اس تنظیم کا مقصد ہر اس آواز کو خاموش کر دینا تھا جو متحدہ پاکستان کی حامی ہو۔ بھارت نے مکتی باہنی کے ذریعے پاکستان افواج کی فیملیز کو بالخصوص نشانہ بنایا۔ ملک میں دہشت کا ماحول برپا کرنے کے لئے بھارتی فوجی مکتی باہنی کے ساتھ مل کر تعلیمی اداروں میں جمعیت اسلامی کے کارکنوں کو بہیمانہ تشدد کا نشانہ بناتے۔ انہیں دیواروں کے ساتھ کھڑا کر کے ان کے جسموں میں کیل ٹھونک دیتے۔ مکتی باہنی کی آڑ میں مشرقی پاکستان میں فوجی مداخلت کا اعتراف خود ایک سابق بھارتی وزیر اعظم نے واشنگٹن پوسٹ کو دیے گئے انٹرویو میں کیا:

"ہزاروں کی تعداد میں بھارتی فوجی مکتی باہنی کارکنوں کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے جن کو اپریل سے دسمبر 1971ء تک مشرقی پاکستان بھیجا جاتا تھا"4

پاکستان کے دونوں مغربی اور مشرقی حصے ایک دوسرے سے 16 سو کلو میٹر کے فاصلے پر تھے۔ اس جغرافیائی دوری سے مغربی اور مشرقی پاکستان میں غلط فہمیاں بڑھنے لگیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مشرقی پاکستان معاشی بدحالی کا شکار تھا۔ مگر مشرقی بنگال انگریزوں کے دور سے ہی غربت اور مسائل میں گھرا ہوا تھا۔ مشرقی بنگال یعنی مشرقی پاکستان برٹش راج میں بھی ہندوؤں کے ہاتھوں استحصال کا نشانہ بنتا رہا۔ مغربی بنگال میں ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے۔

اہل مشرقی پاکستان ناقص انفراسٹرکچر اور ماضی میں ہندو بنئے کے ہاتھوں تنگ تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اہل مشرقی پاکستان نے مغربی پاکستان سے امید لگا رکھی تھی۔ اہل بنگال کا خیال تھا کہ پاکستان بننے کے بعد انہیں تمام بنیادی حقوق حاصل ہوں گے۔ مگر وسائل کی کمی اور سیاسی عاقبت نشاندہی کے ساتھ ساتھ دونوں حصوں کے درمیان طویل فاصلے نے بھی مسائل کے حل میں رکاوٹ ڈالی۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد حالات زیادہ خراب ہو گئے۔ مشرقی پاکستان میں پے در پے سیلاب اور سمندری طوفانوں نے پاکستان پر مزید معاشی دباؤ ڈالا۔ مشرقی بنگال میں ہونے والے نقصانات اور بحالی کے لئے کوئی خاطر خواہ کام نہ ہو سکا۔ چنانچہ مشرقی بنگال کے عوام میں محرومی بڑھتی گئی۔ بھارتی میڈیا اور دیگر بھارتی ایجنٹ بنگالیوں کو یہ باور کراتے کہ مغربی پاکستان بنگال کے وسائل پر عیاشی کر رہا ہے۔ ملک میں مسلسل مارشل لا کی وجہ سے بنگالیوں میں فوج سے محبت کا جذبہ بھی ختم ہونے لگا تھا۔ ایسے مایوس کن حالات میں بھارت کی مداخلت اور ریشہ دوانیوں سے اہل بنگال نظریاتی طور پر مغربی پاکستان سے دور سے دور ہوتے چلے گئے۔ مشرقی اور مغربی حصوں کی عوام میں غلط فہمیاں بڑھنے لگیں۔ بھارت نے اپنے روایتی مخالفانہ موقف کے ذریعے اس صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ہندوستان نے مشرقی پاکستان کی عوام کو اپنے گمراہ کن پروپیگنڈہ کے ذریعے مغربی پاکستان کے خلاف کر دیا، بد اعتمادی کی اس فضا میں مفاہمت کے جذبے دم توڑ گئے۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت ہر صورت مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کرنا چاہتا تھا:

"انھوں نے اسے ختم کرنے کے لیے ایک منظم اور طویل المدت منصوبہ تیار کیا۔ بھارتی رہنماؤں نے پاکستان کے جغرافیائی اور اقتصادی عوامل کا مطالعہ اور تجزیہ کرنے کے بعد مشرقی پاکستان کا انتخاب کیا۔"5

مغربی پاکستان کے سیاست دان شروع سے ہی صورتحال کی سنگینی کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اول تو قیام پاکستان کے بعد ہی مشرقی پاکستان کے عوام کے دلوں میں مغربی پاکستان کے حوالے سے نفرت پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی دوسرا مغربی پاکستان کی مقتدرہ مسائل کو روایتی انداز سے دیکھ رہی تھی۔ انھیں اپنے ذاتی مفادات کے حصول سے فرصت نہیں تھی ۔ نتیجتا غلط فہمیاں انتہا تک پہنچ گئی۔ اور وہی ہوا جس کا اظہار دونوں اطراف کے بعض سیاستدان اور اہل دانش کر رہے تھے۔ اغیار کی مشکلات کو مغربی پاکستان کے ارباب اختیار نے آسان بنا دیا۔ مغربی پاکستان کے حکمرانوں اور سرکاری عہدے داروں نے مشرقی پاکستان کی عوام کو اپنی رعیت اور خود کو ان کا حاکم سمجھ رکھا تھا۔ اس روش سے بنگالیوں کے دل میں مغربی پاکستان کے لئے نفرت پیدا ہو گئ۔

آئین کی معطلی اور مارشل لا کے نفاذ سے مشرقی پاکستان کی عوام میں احساس محرومی بڑھ گیا۔ اہل مشرقی پاکستان کے ذہنوں میں یہ بات گھر کرنے لگی کہ ملک میں پارلیمانی نظام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے مارشل لا کو نافذ کیا گیا ہے۔

یہ بات عام ہونے لگی کہ مغربی پاکستان کا ایک مخصوص ٹولہ ہے جو جمہوریت کو پنپنے نہیں دیتا۔ سرکاری زبان کے فیصلے پر بھی بے چینی پائی جاتی تھی۔ حکومت کے خلاف مظاہروں کے دوران بنگالی طلبا کی ہلاکت نے بنگالیوں کے دلوں میں مغربی پاکستان سے مزید دوری پیدا کر دی۔

عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمان نے مشرقی پاکستان کی عوام کی معاشی بدحالی کا ذمہ دار مغربی پاکستان کو قرار دے دیا۔ شیخ مجیب الرحمن نے 6 نکات کے نام سے ایک منشور پیش کیا جسے مغربی پاکستان کے طاقتور حلقوں نے رد کر دیا۔ جس سے حالات میں بہتری کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ جنرل ایوب خان کے بعد جب اقتدار جنرل یحییٰ کو منتقل ہوا تو سیاسی صورتحال اور بھی مخدوش ہو گئی۔

1970 کے انتخابات میں بھارت نے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لئے عوامی لیگ کی طرف سے چلائی گئی انتخابی مہم کے لئے بے تحاشہ سرمایہ لگایا۔ شیخ مجیب الرحمن بھارتی تائید کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے ایک ہی وقت میں بنگالی عوام کو سبز باغ دکھانے اور مغربی پاکستان بلیک 8 کرنے کی پالیسی پر گامزن تھا۔ وہ اپنے اقتدار کی جنگ کو بنگالی عوام کے آئینی حقوق کی جنگ بنانے میں بہت حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔

ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمن نے کہا:

"بنگالیوں نے ۱۹۵۶ء کے دستور کے برابری کے اصول کو تسلیم کر کے سخت غلطی کی تھی۔ مجیب نے دھمکی دی کہ اگر بنگلہ دیش پر یہ اصول دوبارہ ٹھونسنے کی کوشش کی گئی تو اس کی مزاحمت کی جائے گی اور عوام کے حقوق کے لئے تحریک چلائی جائے گی "6

عام انتخابات میں شیخ مجیب الرحمان کی پارٹی عوامی لیگ نے 169 میں سے 167 اسمبلی کی نشستیں حاصل کر کے فیصلہ کن برتری حاصل کر لی، تاہم حکومت سازی کے عمل میں مغربی پاکستانی اہل اختیار کے تاخیری حربوں نے پاکستان میں امن و امان کی صورت حال بہت خراب کر دی۔ ذوالفقار علی بھٹو اور شیخ مجیب الرحمن وزارت عظمیٰ کے حصول کے لئے پاکستان کی سالمیت کو داؤ پر لگانے پر تلے ہوئے تھے۔ دونوں رہنماؤں کی اقتدار کی ہوس کے نتیجے میں عوام کے دلوں میں نفرت شدت اختیار کر گئی۔

اقتدار کی منتقلی کے عمل میں بہانہ سازی کی روش نے صورتحال کو مزید گھمبیر بنا دیا۔ بے یقینی کی اس فضا میں شیخ مجیب الرحمن کے سول نافرمانی کے اعلان نے خوف و ہراس پھیلا دیا۔ ڈاکٹر بشیر منصور لکھتے ہیں:

"مارچ ۱۹۷۱ء کو پورے صوبے میں سول نافرمانی کی تحریک کا اعلان کر دیا گیا۔۔۔ جگہ جگہ پاکستانی پرچم نذر آتش کیا جا رہا تھا۔ مارچ ۱۹۷۱ء کو مجیب الرحمٰن نے متوازی حکومت کا اعلان کر کے لوگوں کو ٹیکس دینے سے منع کر دیا۔۔۔ ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو مجیب الرحمٰن کی رہائش گاہ سمیت سیکریٹریٹ اور دیگر عمارتوں پر بنگلا دیش کا جھنڈا لہرا کر یوم مزاحمت منایا"7

اس وقت کی فوجی حکومت نے مسئلے کا سیاسی حل ڈھونڈنے کی بجائے عوامی لیگ کے خلاف طاقت کے استعمال کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ بنگالیوں میں مغربی پاکستان سے شدید نفرت کا جذبہ بھڑک اٹھا اور انھوں نے مسلح جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ آل انڈیا ریڈیو مسلسل مغربی پاکستان کے خلاف اشتعال انگیز خبریں چلا رہا تھا۔ جس کا مقصد مشرقی پاکستان کے لوگوں کو پاک فوج اور مغربی پاکستان کے خلاف مشتعل کرنا تھا۔

ایک عرصے سے مشرقی پاکستان کے تعلیمی اداروں میں ہندو اساتذہ کی ایک بڑی تعداد معلمی کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اس دوران ہندو اساتذہ مخصوص قسم کے لٹریچر سے بنگالیوں کے دلوں میں بغاوت کی سوچ پیدا کرتے تھے۔ چنانچہ سب عوامل کے زیر اثر دیکھتے ہی دیکھتے ملکی حالات انتہائی کشیدہ ہو گئے۔

فوجی ایکشن کی وجہ سے عوامی لیگ کے سربراہ اور کئی بنگالی لیڈر بھاگ کر بھارت چلے گئے۔ مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی نے بھارتی فوج کے ساتھ مل کر پاکستانی فوج کے خلاف گوریلا جنگ شروع کر دی۔ شیخ مجیب الرحمن اپنے بھارتی آقاوں کے خواہش پر اور اقتدار کے حصول کی خاطر پاکستان کے وجود کو مٹا دینا چاہتا تھا

توصیف احمد خاں لکھتے ہیں:

"مشرقی پاکستان میں گھر گھر بنگلا دیش کے پرچم لہرا رہے تھے اس کے حق میں نعرے لگائے جا رہے تھے مغربی پاکستان اور فوج کے خلاف دشنام طرازی کی جا رہی تھی، قائد اعظم کی تصاویر جلائی گئیں، مخالفین کو قتل کیا گیا اور غیر بنگالی لڑکیوں کو اکثر مقامات پر اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا۔8

ان بگڑتے ہوئے حالات کے سامنے اس وقت کی فوجی حکومت بالکل بے بس دکھائی دے رہی تھی۔ ایسے میں بھارت نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ ان نامساعد حالات میں پاکستان کی فوج بہادری سے لڑی۔ مگر جغرافیائی فاصلے اور بنگالیوں کی بے وفائی کی شکار ہو گئی۔16 دسمبر 1971 میں مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش کے نام سے ایک آزاد ملک بن گیا۔

1971ء کی جنگ اور سقوطِ ڈھاکہ پاکستان کی تاریخ کا ایک المناک سانحہ ہے۔

اس حادثے نے جہاں ہماری جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کو بدل کر رکھ دیا وہاں اس نے اردو ادب پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے۔ سقوط ڈھاکہ کا زخم آج بھی تازہ ہے۔ المیہ مشرقی پاکستان، ملکی تقسیم کا المیہ ہے۔ اس سے ادیبوں کی فکر کو نئی جہت ملی۔ ادیگر اصناف میں اس المناک سانحہ کو موضوع سخن بنایا گیا۔ اردو ناول میں بھی سقوط ڈھاکہ پر خاطر خواہ کام ہوا۔ سقوط ڈھاکہ کے پس منظر میں لکھے گئے ناول نہ صرف تاریخی اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں بلکہ سیاسی اور سماجی مسائل کی نشاندہی بھی کرتے ہیں کیونکہ کوئی بھی سانحہ فرد کی داخلی انتشار سے لے کر اجتماعی انتشار تک کا سفر ہوتا ہے۔ سقوط ڈھاکہ میں اپنوں کی سیاسی اور قومی کوتاہیاں اس سانحے کا سبب بنیں اور یوں یہ سانحہ تاریخ کا پردہ چاک کر کے سقوط ڈھاکہ کی شکل میں سامنے آیا۔ اس سانحہ نے اردو نثر کو ایک نیا احساس بخشا۔ ادیب چونکہ حساس ہوتا ہے اس لئے اس حادثے نے اسے لکھنے پر مجبور کر دیا

ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق:

"ادیب معاشرے کا سب سے ذمہ دار شخص ہوتا ہے۔ کوئی محسوس کرے یا نہ کرے لیکن ادیب ہر لمحہ کو، ہر واقعہ کو صحیح پس منظر میں سب سے پہلے سمجھ لینے کی صلاحیت اور قوت رکھتا ہے اور پھر اسے دوسروں تک پہنچانا اور روشنی دکھانا اس کا فرض ہو جاتا ہے۔"9

المیہ مشرقی پاکستان کے تناظر میں لکھے گئے ناولوں میں

فضل احمد کریم فضلی (خون جگر ہونے تک)، عنایت اللہ (خاک اور دی لال لہو)، رضیہ فصیح احمد (صدیوں کی زنجیر)، انتظار حسین (بستی)، قرۃ العین حیدر (آخر شب کے ہم سفر، چاندنی بیگم)، الطاف فاطمہ (چلتا مسافر)، خالدہ حسین (کاغذی گھاٹ) ظفر پیامی (فرار)، نشاط فاطمہ (آنسو جو بہہ نہ سکے) مستنصر حسین تارڑ راکھ، خس و خاشاک زمانے)، فہمیدہ ریاض (زندہ بہار)،

طارق محمود (اللہ میگھ دے)، حمید شاہد (مٹی آدم کھاتی ہے) نسرین پرویز (سلمی کا مقدمہ: ڈھاکہ سے کراچی تک) حسین الحق (فرات)، جیون خان (دیپتی)، رؤف ظفر (ماتم شہر آرزو)، عبدالصمد (دو گز زمین)، اور سلمی اعوان (تنہا)

قابل ذکر ہیں۔

سلمی اعوان 11 ستمبر 1945 کو جالندھر میں پیدا ہوئیں۔ قیام پاکستان کے وقت آپ کا خاندان ہجرت کر کے پاکستان آ گیا تھا۔

المیہ مشرقی پاکستان کے تناظر اعوان سلمی اعوان کا ناول "تنہا" تاریخی طور پر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ پاکستان کی سیاسی و سماجی تاریخ کو بڑے منفرد انداز سے اس ناول کا حصہ بنایا گیا ہے۔ ناول کی کہانی 1947 سے شروع ہوتی ہے ناول کے کردار جذباتی شکست و ریخت، سیاسی شعور، قلبی کیفیات اور وطن کی محبت جیسے جذبوں سے کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ناول میں داستان عشق بھی ہے اور سقوط مشرقی پاکستان کا تجربہ بھی۔ محبت اور نفرت کا سماجی سفر بھی ہے، سیاست اور سازش کی تاریخ بھی ہے۔ سمیعہ علی عرف سومی ناول کی ہیروئن ہے۔ سومی کی پرورش اس کے والدین کی وفات کے بعد اس کی دادی اور چچانے کی۔ سومی کے چچا فوج میں تھے۔ بنگال سے لگاؤ کے باعث سمیعہ علی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ڈھاکہ یونیورسٹی کا انتخاب کرتی ہے۔ ڈھاکہ میں سمیعہ کے چچا کے دوست کے بھائی اس کے مقامی سرپرست مقرر ہوتے ہیں۔ یوں سمیعہ ہاسٹل میں مقیم ہونے کے باوجود ان

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کے گھرانے کی محبت اور اپنائیت کو محسوس کرتے ہوئے ان کے قریب ہو جاتی ہے۔۔ چار بیٹوں کے ہوتے ہوئے اس گھر میں بیٹی کی شکل میں سمیعہ کو خوب پیار ملتا ہے البتہ شروع شروع میں اس گھر کا سب سے بڑا بیٹا اجتبیٰ الرحمٰن (شلپی) سمیعہ سے کچھ دور دور رہتا ہے۔ بعد ازاں وہ سمیعہ سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اجتبیٰ الرحمٰن (شلپی) ناول کا مرکزی کردار ہے۔ اس کا بچپن پاکستان کی محبت میں رچا بسا ہے۔ ایک بچے کی حیثیت سے قیام پاکستان میں حصہ لینا اور پھر اس پاکستان سے ہی آزادی حاصل کرنے کے لئے قوم پرست بن جانا شلپی کی زندگی کے دو مختلف رخ ہیں۔ ناول میں بڑے دلچسپ انداز سے واقعات کو بیان کیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شلپی کی پاکستان سے محبت کے بدل جانے میں کون سے عوامل کار فرما تھے۔ مثلا اپنے دادا کو قومی زبان کے مسئلے پر آزردہ دیکھنا۔ دادا کا سامان زیست کے ساتھ کتب کا خزانہ سیلاب کی نذر ہو جانا، عالم دین دادا کا جان سے چلے جانا مگر حکومتی سطح پر کسی کا مدد کو نہ آنا۔ شلپی کو نوعمر لڑکے کی حیثیت سے اداروں سے مدد مانگنے کے نتیجے میں تحقیر آمیز رویے کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ وہ بے بسی اور مایوسی کے حالات تھے جس کی وجہ سے ہندو نواز ذہنیت رکھنے والے افراد کا کام آسان ہو گیا۔ اپنوں کے بھیس میں چھپے دشمنوں اور اہل اقتدار کی بے حسی نے اس کے اندر نفرت اور عصبیت کی آگ بھر دی۔ وہ ایک قوم پرست ہیرو بن گیا۔

ایک دوسرے کو پسند کرنے کے باوجود سومی اور شلپی کی جذباتی وابستگی میں ایک نظریاتی رکاوٹ موجود تھی۔ سومی اور شلپی کے راستے بھی الگ الگ تھے۔ شلپی کو پاکستان توڑنا تھا جبکہ سومی کو پاکستان بچانا تھا۔ تعصب کی آندھیاں عروج پر تھیں نفرت محبت کو نگلنے لگی تھی۔ محرمیوں نے سوچ کو مفلوج کر دیا تھا۔ بدگمانیاں تیقنا کی حدوں کو چھونے لگیں تھی۔ ایسے میں وضاحتیں بے بسی کی تصویر بن جاتی ہیں۔ لفظ دم توڑنے لگتے ہیں:

"سومی آپا۔ آپ کی بیورو کریسی صرف یہاں ہم پر حکومت کرنے آتی ہے نہ انہیں ہمارے مسائل سے ہمدردی ہے نہ کوئی دلچسپی۔ نہ وہ ہماری زبان جانتے ہیں اور نہ ہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کالے صاحب ہیں جنھوں نے گورے صاحبوں کی جگہ لے لی ہے "10

سومی اسلامی جمیعت طلبہ کو اپنا سیاسی فیصلہ بنالیتی ہے۔ جو پاکستان کی سلامتی اور حفاظت کا نظریاتی علم تھامے ہوئے تھی۔ بظاہر ایک لاپرواہ نظر آنے والی سومی بنگال میں نفرت اور تشدد کی آگ کے ماحول میں پاکستان کی سالمیت اور حفاظت کے لئے یکسو ہو گئی۔ وہ بنگالی جو آل انڈیا مسلم لیگ، نظریہ پاکستان اور قیام پاکستان میں پیش پیش تھے وہ پاکستان اور مغربی پاکستان کے باسیوں کے خلاف بغض، نفرت اور طعنوں کے تیروں کی بوچھاڑ کرتے تھے اس بے رحم وقت نے سومی کو بیمار کر دیا۔ ایسے میں شلپی نے سومی کو شادی کا پیغام بھیج دیا۔ ایک بار انکار کے بعد سومی شلپی سے شادی کی ہاں کے لئے اس کے سامنے ملک دشمن منفی سرگرمیاں ترک کرنے کی شرط رکھ دیتی ہے۔ تاہم اس شرط کے جواب میں لکھا جانے والا شلپی کا خط سومی کو مزید اداس کر دیتا ہے۔ سومی کی مثبت سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں کے پیش نظر ہندو اور علیحدگی پسند اسے اغوا کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ شلپی اپنے پارٹی ورکرز کو اس کی حفاظت پر مامور کرتا ہے شلپی اپنے والدین کے ذریعے سومی کو مشرقی پاکستان چھوڑ دینے کا کہتا ہے۔ سومی یہ سوچ کر کہ وہ ان سب کے لئے پریشانی اور مصیبت کا باعث بن رہی ہے۔ بادل ناخواستہ لاہور واپسی کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ ناول کے آخر میں اجتبیٰ الرحمان (شلپی) ماں کے شانوں پر سر رکھ کر بھرائی ہوئے آواز میں کہتا ہے "

۔ماں ! دیکھو تو ذرا باہر۔ ڈھاکہ تو اجڑا اجڑا لگتا ہے۔ "11

اس طرح یہ ناول مشرقی پاکستان کے المیہ کے کرب اور تکلیف کو قاری کی رگوں میں اتراتا ہوا اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ سلمی اعوان کا یہ ناول محبت اور نفرت کے فطری جذبوں کا عکاس ہے۔

ناول "تنہا" المیہ مشرقی پاکستان کے پس منظر میں تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اہل بنگال جدوجہد آزادی اور تحریک آزادی میں پیش پیش تھے۔ بنگال میں پاکستان زندہ باد، قائداعظم زندہ باد اور لے کے رہیں گے پاکستان کے نعرے گونجتے تھے مگر پھر اس محبت کو وقت کی نظر لگ گئی۔ سانحہ 1971 کی فضا پر تحریر کردہ ناول کے آغاز میں پاکستان سے محبت اور اس کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کا عزم ظاہر ہوتا ہے۔ ناول میں قیام پاکستان کے موقع پر ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح مشرقی بنگال میں ہندو مسلم خلیج کا ذکر ملتا ہے۔

سلمی اعوان نے ناول "تنہا میں واقعات کو زمانی ترتیب سے لکھا ہے۔ ناول کی کہانی واقعات کے تسلسل سے اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھتی ہے۔

Vol. 2, No. 4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ناول میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات کو تاریخ کی روشنی میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ کہانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ قاری اس محبت کو محسوس کرتا ہے جو پاکستان کے ساتھ اہل بنگال کے دلوں میں تھی۔ جس کو اہل اقتدار نے خود گنوا دیا۔ وہ محبت جو نئے وطن پاکستان اور قائد کے ساتھ تھی۔ جو آزادی کی تحریک میں وفا بن کر شامل تھی۔ جو رنگ نسل اور زبان سے ماورا تھی۔ وہ ایسا عشق تھا جو جنون بن کر ہر قربانی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا۔ جب اس جذبہ محبت کو ہندو دیکھتے تو پریشان ہو جاتے:

"ان ملیچھ مسلمان چھیلوں (لڑکوں) کے کیسے پر لگ گئے ہیں۔ پاکستان اور جناح نے سب کو پاگل بنا دیا ہے۔ ہم دیکھیں گے بھارت ماتا کے ٹکڑے کون کرتا ہے "12

مگر قیام پاکستان کے بعد سب کچھ تبدیل ہو گیا۔ محبت بداعتمادی کی نذر ہو گئی۔ ایک دوسرے پر بھروسہ نہ رہا۔ اہل بنگال کے مغربی پاکستان سے فاصلے بڑھنے لگے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اختلافات حد سے بڑھ کر دشمنی میں بدل گئے۔ مشرقی بنگال میں حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ مفاہمت کے امکانات معدوم ہوتے جا رہے تھے۔ تجدید محبت کا امکان کہیں نفرتوں میں گم ہو گیا تھا۔ بنگالی عملاً مغربی پاکستان سے نفرت کرنے لگے تھے۔ بعض معاملات اور واقعات نے اہل مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے بے حد متنفر کر دیا تھا۔ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن کا اظہار ناول تنہا میں جا بجا نظر آتا ہے۔ سلمیٰ اعوان نے بڑے جاندار انداز سے ناول میں ان دم توڑتے جذبات کو پیش کیا ہے۔ قاری کے لئے یہ بات بڑی تکلیف دہ ہے کہ مسکراہٹیں اور محبتیں کس طرح نفرتوں میں بدل گئیں کس طرح جان قربان کرنے والے جان لینے پر تل گئے۔

ناول "تنہا" کا ایک کردار رانی جو بنگالی لڑکی ہے۔ اس کی پاکستان سے نفرت کا اظہار اس کی گفتگو لگایا جا سکتا ہے:

"ہم پاکستان سے فیڈ اپ Fed up ہو چکے ہیں۔ فوجی آمریت کے بل پر ہمیں مزید دبایا نہیں جا سکتا۔ ہم آزادی چاہتے ہیں جو ہمارا جمہوری حق ہے "13

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ کچھ تو اپنوں کی بے انصافیوں اور کچھ غیروں کی سازشوں سے مشرقی پاکستان کے لوگوں کو پختہ یقین ہو گیا تھا کہ بنگال کے تمام وسائل پر مغربی پاکستان نے قبضہ کر رکھا ہے۔ اور اہل مغربی پاکستان ان وسائل پر عیاشی کرتے ہیں جبکہ بنگالیوں کے نصیب میں فقط بھوک اور پیاس ہے۔ حکومتوں نے بنگالیوں کی غربت کو دور کرنے کی بجائے اس غریب کی ذمہ داری بھی بنگالیوں پر ڈال رکھی تھی۔ اہل اقتدار تاثر دیتے کہ بنگالی کام چور اور آرام پسند ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ وہ اپنی حالت بہتر بنانے کے لئے تگ و دو نہیں کرتے۔ اس کے برعکس بنگالی اپنی بدحالی کا ذمہ دار مغربی حصے کو سمجھتے تھے۔ اس لئے بنگالی برملا مغربی پاکستان والوں کو غاصب کہتے تھے۔۔ ناول کی ہیروئن سومی کو ایسے بہت سے طعنے سننے کو ملتے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنگالی کس حد تک مغربی پاکستان سے دور ہو چکے تھے۔ وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھے۔ ان کو مغربی پاکستان سے بے شمار گلے شکوے تھے۔۔ مثلاً ناول کا ایک کردار سمیعہ علی سے مخاطب ہو کر یوں گفتگو کرتا ہے:

"ارے سومی آپا! بائیس (۲۲) سالوں نے ہمیں کیا دیا؟ اقتصادی بدحالی۔ اب ذرا دیکھیے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۴ء تک ہماری پٹ سن نے پاکستان کو ستر فیصد زر مبادلہ دیا لیکن ہمارے صوبے پر ترقیاتی خرچ صرف پندرہ تا بیس فیصد تھا۔ انڈسٹری اور کارخانے لگانے کی حوصلہ افزائی صرف ویسٹ پاکستان میں ہوئی۔ "14

پاکستان سے نفرت کا یہ سانحہ اچانک وقوع پزیر نہیں ہوا اور ایسا بھی نہیں کہ تمام بنگالیوں کے دلوں میں پاکستان کی محبت دم توڑ چکی تھی۔ سلمیٰ اعوان نے بڑی مہارت سے مختلف خیالات کے لوگوں کے ذریعے اس صورتحال کو لکھا ہے اور جدید اور قدیم نسل کے خیالات کی عکاسی کی ہے۔ جہاں ایک طرف پاکستان سے نفرت ہے تو دوسری طرف پاکستان سے محبت کرنے والے بھی موجود ہیں۔ بیشتر بنگالی آخری دم تک پاکستان کے حامی رہے۔ انہیں اس حب الوطنی کی بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑی۔

کیونکہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ پاکستان کے حق میں بات کرنے والوں کو غدار سمجھا جاتا تھا مگر ایسے میں بھی ناول کا ایک کردار جو ڈاکٹر ہے اور بنگالی بھی ہے،

وہ مشرقی پاکستان کے بگڑے ہوئے حالات کے حوالے سے کہتا ہے

کہ:

Vol. 2, No. 4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"ایسے طوفان ہر قوم کی زندگی میں آتے ہیں۔پاکستان ایک ایسی اکائی ہے جو کبھی تقسیم نہ ہوگی"15

سانحہ مشرقی پاکستان کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ وہ بنگالی جو پاکستان سے بے انتہا محبت کرتے تھے وہ بھی آہستہ آہستہ اس محبت سے دستبردار ہو گئے۔ بدقسمتی سے کچھ ایسا ماحول پیدا کر دیا گیا جس نے اپنوں کو بیگانہ بنا دیا۔ ناول کے مرکزی کردار شلپی نے بھی قیام پاکستان کی جدوجہد سے لے کر پاکستان سے آزادی حاصل کرنے تک کا کربناک سفر ان ہی حالات میں طے کیا۔

سلمی اعوان نے بڑے حساس انداز سے اس پہلو کو ناول میں بیان کیا ہے۔شلپی کا بچپن قیام پاکستان کی جدوجہد اور محبت میں گزرا تھا۔ اس نے بھی دیگر بنگالیوں سے مل کر ہندوؤں سے آزادی کے لئے دن رات محنت کی تھی۔ ناول میں شلپی کی پاکستان سے وابستگی اور محبت کو مصنفہ نے بڑے جذباتی انداز سے پیش کیا ہے مثلاً جب ایک ہندو لڑکے نے بھارت کے حق میں نعرہ لگایا تو اجتبیٰ الرحمان (شلپی) اور اُس کے ساتھیوں نے اس زور سے جواب دیا:

"پاکستان جندہ باد........"ان کی جندہ باد کی یہ مشترکہ آواز بہت دور تک سنائی دی گئی۔ ان کے گلوں کی ایک ایک رگ پھولی تھی اور ان کی سوکھی سڑی چھڑیوں کے نیچے سینوں کے پنجر بہت نمایاں ہو گئے تھے"16

یہ وہ محبت تھی جو شلپی کو ورثے میں ملی تھی اس نے اپنے ارد گرد لوگوں کو پاکستان اور قائداعظم کی محبت سے سرشار دیکھا تھا۔ وہ خود بھی پاکستان سے بہت محبت کرتا تھا مگر حالات نے شلپی کو بدل دیا۔ سلمی اعوان نے اس کردار کے ذریعے سانحہ کے عوامل کو لکھا ہے۔ ایک شلپی ہی نہیں جانے کتنے نوجوان تھے جو پاکستان سے محبت کرتے کرتے حالات کی نفرت کا شکار ہو گئے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔بدگمانیوں کی ہوا نے اندیشوں کو حقیقت میں بدل دیا۔

اہل مغربی پاکستان سے بنگالیوں کے حوالے سے بہت سی کوتاہیاں سرزد ہوئیں۔ انھوں نے بنگالیوں کو قریب لانے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ اہل اقتدار نے مشرقی پاکستان کو بوجھ سمجھا۔ وہ بنگالیوں کو ان کا حق دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ گاہے بگاہے ان کی تذلیل کرتے تھے۔ اہل اقتدار کی یہ سوچ رفتہ رفتہ نچلی سطح تک بھی پہنچ گئی۔ صدیق سالک نے "میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا" میں جا بجا ایسے واقعات کا احاطہ کیا ہے:

"میں نے اپنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالا اور چند سکے اس غریب لڑکے کو دینا چاہے، اگر حوالدار نے پرزور لہجے میں کہا، سر ان حرامزادوں کی عادت نہ بگاڑیے۔ میں نے مشورہ مان لیا—اور بنگالی لڑکا ایک بار پھر نفرت بھری نگاہیں مجھ پہ ڈالتے ہوئے وہاں سے چلا گیا"17

ناول "تنہا" میں مرکزی کردار اجتبیٰ الرحمن عرف شلپی بنگلہ دیش کے قیام کا حامی ہونے کے باوجود انتہا پسندی میں ہوشمندی کے دامن کو تھامے رکھتا ہے۔ وہ آکسفورڈ سے فارغ التحصیل ہے اور بنگلہ سماج کا نمائندہ ہے۔ وہ پاکستانی سیاست کے اتار چڑھاؤ، بنگالیوں کی حب الوطنی سے لے کر آزادی کی جنگ، مغربی پاکستان والوں کے امتیازی سلوک، ان کی خود غرضی۔ اور پھر بنگالیوں میں نفرت کے جذبات کے پروان چڑھنے جیسے عوامل کا چشم دید گواہ ہے۔ محبت سے نفرت کے سفر کا کرب اس کی ذات کا حصہ تھا۔ شلپی کے لئے دادا کی وفات کا واقعہ بڑا روح فرسا تھا۔ شلپی نے ایک ہی وقت میں اپنوں کی بے حسی اور بطور بنگالی اپنی ذات کی نفی کو شدت سے محسوس کیا تھا۔ ایک پڑھا لکھا نوجوان ہونے کی حیثیت سے شلپی سیاسی اور سماجی مسائل کو بہتر طور پر سمجھ سکتا تھا۔ وہ ایک حساس نوجوان تھا۔ شلپی کے دکھ کا اندازہ سومی سے کہے گئے ان جملوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

"تم سیاسیات کی طالبہ ہو۔ اگر ۱۹۶۲ء کا آئین تمہاری نظروں سے گزرے تو غیر جانبدار ہو کر اس کا مطالعہ کرنا۔ یقیناً تم پر ثابت ہو گا کہ ساڑھے سات کروڑ کی اس بنگالی قوم کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تم بتاؤ! کوئی خوددار قوم اس صورت حال کو برداشت کرتی؟18

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ بنگال اور مغربی پاکستان میں ذہنی دوری کی ایک وجہ زبان بھی تھی۔ بنگالیوں کی دو نسلوں میں اکثر بحث و مباحثہ ہوتا کیونکہ بزرگ اس معاملے کو حل کرنے کے لئے تعمیری کوشش پر زور دیتے مگر نوجوان زبان کے معاملے میں شدت پسندی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اس شدت پسندی میں اہل مغربی پاکستان کی بے اعتنائی اور جانبداری بھی شامل تھی۔ آغاز میں جب قائداعظم نے ڈھاکہ میں اردو زبان کے متعلق اعلان کیا تو احتراماً سب نے سر تسلیم خم کر دیا مگر ایک دل گرفتگی تو تھی جس کا اظہار کہیں کہیں ہو جاتا۔ قائداعظم کی عقیدت بنگالیوں کی زباں بندی بن گئی، کیونکہ پاکستان کے نام پر بنگالی مسلمان جناح کی محبت میں پاگل تھے۔ قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں انہوں نے آزادی کی منزل حاصل کی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ محمد علی جناح ایک نڈر مخلص اور ذہین لیڈر ہیں ان کی قائدانہ صلاحیتوں سے اپنے بیگانے سبھی متاثر تھے۔ اگرچہ بنگالی مسلمانوں کی اس بے پناہ محبت کا اظہار گاہے بگاہے ہوتا رہتا تھا۔ اس کے باوجود زبان کے مسئلے پر بنگالی افسردگی سے کہتے:

"عظیم قائد نے یہ کیسا حکم دے دیا ہے؟ ہم تعلیمی اور سماجی طور پر پس ماندہ ضرور ہیں پر ہماری زبان وسیع علمی اثاثہ کی مالک ہے۔ اس کی موت تو بنگال کی تہذیب و ثقافت کی موت ہو گی۔"19

قائداعظم کی وفات کے بعد زبان کے مسئلے میں تیزی آگئی۔ بنگلہ زبان کے حق میں کئی مظاہرے ہوئے۔ 21 فروری 1952ء کو ڈھاکہ کی سڑکوں پر عام ہڑتال کی کال پر ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلبا کی جانب سے دفعہ 144 کی خلاف ورزی پر پولیس نے گولی چلا دی۔ جس سے متعدد مظاہرین سمیت کئی طلبا بھی ہلاک ہو گئے۔ اس واقعے نے زبان کے مسئلہ پر ہونے والے مظاہروں کو مزید بھڑکا دیا۔ ایک طرح سے اس واقعہ نے بنگلہ دیش کی بنیاد رکھ دی۔ اس واقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیخ مجیب الرحمن اور اسی ذہنیت کے بھارت نواز لوگوں نے زبان کو بنیاد بنا کر پاکستان سے علیحدگی کی سوچ کو فروغ دینا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں بنگالیوں میں مغربی پاکستان اور اردو زبان سے نفرت بڑھنے لگی۔ مغربی پاکستان سے آئے لوگوں کے ساتھ نامناسب سلوک روا رکھا جانے لگا۔ ہندوستان نواز اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہے تھے۔ یہ صورتحال پاکستان سے محبت کرنے والوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھی۔ نوجوان شدت پسندی پر اتر آئے تھے جب کہ بزرگ نوجوانوں کو سمجھاتے اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہی و بربادی سے خبردار کرتے مگر نوجوان بے حد جذباتی تھے۔ وہ بڑے تند لہجے میں تباہی کے متعلق یوں کہتے کہ:

"وہ تو مچے گی۔ ڈھاکا کی ارسٹو کریسی اور حکمران کلاس کو بنگلہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ویسٹ پاکستانی اس کی جون اور ہیئت
(رسم الخط) بدل دینے کی بات کریں یا اسے کھڈے لائن لگا دینے کا سوچیں، انھیں صرف اپنی کرسیوں کی فکر ہے۔ یاد رکھیں دادو! تباہی کے بغیر حصول مقصد میں کبھی کامیابی نہیں ملتی۔"20

تہنا ناول میں نہایت غیر جانبداری سے تمام نقطہ نظر رکھنے والوں کے احساسات کو جگہ دی گئی ہے۔ ناول پڑھتے ہوئے کہیں بھی اس بات احساس نہیں ہوتا کہ مصنفہ کا تعلق مغربی پاکستان سے ہے۔ سلمیٰ اعوان نے بڑے درد دل سے مشرقی پاکستان کے بنگالیوں کے تحفظات کی عکاسی کی ہے۔ ایک جانب وہ لوگ تھے جنھیں یہ امید تھی کہ کبھی نہ کبھی حالات بہتر ہوں گے۔ مگر ضروری تھا کہ کچھ دو کچھ لو کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے بنگالیوں کے جائز مطالبات کو مان لیا جاتا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ حکومت صورتحال کی سنگینی کو محسوس نہ کر سکی اور ہر مسئلے کو بزور طاقت حل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ ان حالات میں بنگالی بھی کچھ سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ہر لاجک، ہر دلیل بے اثر تھی۔ وہ ہر صورت میں اپنے مطالبات کو منوانا چاہتے تھے۔ شلپی کا یہ کہنا اسی بات کی نشاندھی کرتا ہے:

"میں پوچھتا ہوں تو اس مطالبہ کو مان کیوں نہیں لیا گیا کتنے سال ہو گئے ہیں تحریک کو چلے ہوئے یہ پکڑ دھکڑ سنسناتی گولیاں یہ سب کس لیے ہیں۔ دادو میں حیران ہوں آپ کتنی معصوم باتیں کرتے
ہیں"21

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ناول کے مرکزی کردار شلپی کا تعلق ایسے گھرانے سے تھا جو پاکستان کے قیام میں پیش پیش تھا۔ دادا کی شخصیت کا شلپی پر گہرا اثر تھا۔ شلپی ابتدا میں پاکستان سے بے لوث محبت کرتا تھا۔ لیکن پے در پے واقعات نے اس کی حب الوطنی کو دوراہے پر کھڑا کر دیا۔ اس نے اپنے بڑوں سے آزادی اور قیام پاکستان کی برکات کی تقریریں سنی تھی۔ وہ خود بھی اس تحریک کا حصہ تھا جس نے حصول پاکستان کے لئے دن رات کوشش کی تھی۔ اس کا شمار ان بنگالیوں میں ہوتا تھا جو یہ سوچ رکھتے تھے کہ پاکستان بننے کی صورت میں مشرق بنگال کے ساتھ ہونے والی صدیوں کی بے انصافیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ شلپی سمیت تمام بنگالیوں کے خواب ٹوٹ رہے تھے۔ انھیں نظر انداز کیا جا رہا تھا۔ وہ برابری کے حقوق چاہتے تھے مگر مغربی پاکستان کے سیاستدان اور بیوروکریسی مشرقی پاکستان کی عوام کو حقوق دینے سے قاصر تھے بلکہ انھوں نے بنگالیوں کے ساتھ ہتک آمیز رویہ اپنا رکھا تھا۔ ایسے ہی حالات کی جھلک ناول میں کچھ اس طرح پیش کی گئی ہے۔:

"ٹھہرو۔۔۔۔۔۔ اس کی کرخت آواز نے اسے وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔

کون ہو تم؟ بے زاری سے پوچھا گیا۔

اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اسے اپنا وہاں آنے کا مقصد بتایا۔

دفع ہو جاؤ یہاں سے ننگے ذلیل لوگ مانگنے کے سوا تم لوگوں کو اور بھی کچھ آتا ہے؟

میں مانگنے نہیں آیا۔ اس کڑوے وار کو وہ برداشت نہ کر سکا تھا۔ تلملاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔" 22

شلپی کو اس تلخ حقیقت کا احساس ہو چکا تھا کہ اہل مغربی پاکستان بالخصوص مقتدرہ اہل بنگال کو برابری کے حقوق دینے کے لیے تیار نہیں۔ حالات نے اسے مایوسیوں کے راستے کا مسافر بنا دیا تھا۔ پاکستان سے جڑی امیدیں دم توڑنے لگی تھیں۔ وہ چاہتے ہوئے بھی پاکستان سے محبت نبھانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ وہ اپنے اس خواب کی تعبیر تلاش نہیں کر پا رہا تھا جو اس نے بچپن میں دیکھا تھا۔ مثلاً:

"رات کے اندھیرے میں جب دھکے دے کر باہر نکالا گیا تو اس کے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ رخساروں کی ہڈیاں سوجی ہوئی تھیں اور جسم کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا گرتا پڑتا وہ ساحل پر پہنچا لنگر انداز کشتیوں میں لالٹینیں جل رہی تھیں۔ ساحل خاموش تھا۔ اس نے زخمی ہاتھوں سے کشتی کا رسہ کھولا اور اسے کھینچنے لگا۔ رات کے سناٹے کو غڑاپ غڑاپ کی آواز توڑ رہی تھی۔

"یہ پاکستان ہے اور اس کے حاکم لوگ ہمارے اپنے ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں کے زخموں کو دیکھا۔" 23

احساس ذلت سے اس کی آنکھوں میں آنسو بہنے کے لیے بے تاب تھے۔ یہ ایک شلپی کا نہیں بلکہ مشرقی پاکستان کے ہر شکست خوردہ نوجوان کا احساس تھا جو ناول کے کردار میں سمٹ کر آ گیا تھا۔ یہ ایک فرد کی شکست نہیں بلکہ نظریہ کی شکست تھی۔ اہل بنگال اپنی شناخت کے لئے مارے مارے پھر رہے تھے۔ یہ ڈوبتا ہوا نظام آخری سانسیں لے رہا تھا۔

ان حالات میں شلپی اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

وہاں سپاری کے درختوں تلے وہ دوائی کے انتظار میں میری راہ تک رہے ہوں گے اب انہیں کیسے بتاؤں گا کہ اس اسلامی دیش کے ایک حاکم نے خود مجھے دوائی کے قابل بنا دیا ہے۔ ہم لوگ ذلیل ہیں ننگے اور سست ہیں۔" 24

ناول میں بڑی مہارت سے سیاسی اور سماجی مسائل کو کہانی کا حصہ بنایا گیا ہے۔ بنگالی مسلمانوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی اور وہ مغربی پاکستان سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اب وہ ماضی میں ہندوؤں کی جانب سے کی جانے والی زیادتیوں کو بھلا چکے تھے۔ وہ بھول چکے تھے کہ 1907 میں انتظامی بنیادوں پر تقسیم بنگال کو ہندوؤں نے صرف اس لئے تسلیم نہیں

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کیا تھا کہ ایسا ہونے سے مسلمان ان کے سود اور بیاج کے چنگل سے نکل جائیں گے۔انہیں یہ خدشہ تھا کہ مسلم اکثریت والا مشرقی بنگال کہیں انگریزی حکومت کے مدد سے ترقی نہ کر جائے اور کہیں مسلمان خوشحال نہ ہو جائیں۔ یہی تکلیف انہیں مشرقی پاکستان سے تھی۔مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کے لئے انہوں نے ہر سطح پر بنگالیوں کو گمراہ کرنے کے اقدامات کئے۔ مغربی پاکستان کی کوتاہیوں نے ان کے اس کام کو آسان بنادیا:

"ایک بات ہے نیلمبر بابو!پاکستان کا بخاران لوگوں کے سروں سے جلد ہی اتر جائے گا۔

اتر جائے گا نہیں۔اتر رہا ہے میرے یار یہ ایک دوسرے سے جلد ہی کٹ جائیں گے گھبراؤ نہیں اقلیتیں چاہیں تو تخت الٹ جاتے ہیں"25

ناول میں تاریخ کے اس پہلو کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ مغربی پاکستان سے دوری کے اس عمل میں صرف بنگالی عوام ہی نہیں بلکہ بنگالی سرکاری اہل کار بھی شامل تھے۔ نوکری کی مجبوری ایک طرف مگر ان کے دل بنگالیوں کے لئے ہی دھڑکتے تھے۔ وہ مغربی پاکستان کے افسران کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ ان کے احکامات پر عملدرآمد کرنے میں لیت و لیل سے کام لیتے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مغربی پاکستان والے بنگالیوں کا استحصال کرتے ہیں۔ وہ پاکستان سے آزادی کے خواہاں تھے۔ وہ آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی عملی مدد کرنا چاہتے تھے مگر سرکاری نوکری کی وجہ سے مجبور تھے:۔

"اور جب اسے اسپتال لے جانے کے لیے ایمبولینس میں ڈالا جانے لگا تو اوندھے منہ لیٹے لیٹے اس نے ان کے ہاتھ درشتی سے جھٹک دیئے۔

"مرنے دو بنگال میر جعفروں سے کبھی خالی نہ ہو گا۔"

اٹھانے والے سانولے سلونے سپاہیوں کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ بے بسی سے انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا"۔26

ناول کے مرکزی کردار شلپی کے دل میں رفتہ رفتہ نفرت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ وہ مغربی پاکستان سے جڑی ہر چیز کو بری طرح ناپسند کرتا تھا۔ چاہے وہ کوئی رشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ ناول میں اس بیزاری او ناگواری کے احساس کو بڑی مہارت سے بیان کیا گیا ہے:

"ماں نے اس کو پھر پکارا۔ "تم کچھ بولے نہیں شلپی!

اس نے رخ پھیر اتکیے کو دوہرا کیا اور آنکھیں موندتے ہوئے بولا ماں آپ ہی لکھ دیں۔ میرے پاس تو وقت نہیں۔" وہ اپنے اس چچا سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تو جو پچھمی پاکستان میں رہتا تھا۔ جو وہاں کے باسیوں سے محبت کرتا تھا۔ جو خاکی وردی پہنتا تھا۔"27

المیہ مشرقی پاکستان کا ایک دردناک پہلو یہ بھی ہے کہ مغربی پاکستان سے نفرت نے بنگالیوں کے دلوں کو اتنا سخت بنادیا تھا کہ وہ یہ بھی بھول گئے کہ ان گنت پاکستانیوں کے دل مشرقی پاکستان والوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ وہ سچ اور جھوٹ کی پہچان نہ کرسکے۔ وہ یہ جان ہی نہ پائے کہ خلوص اور مروت کی ناشناسی نے ان بے شمار پاکستانیوں کے دل توڑ دئے جو مشرقی پاکستان اور بنگالیوں سے محبت کرتے تھے جو ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ ان محبت کرنے والوں میں ایک پاکستانی، ناول کی ہیروئن سمیعہ علی بھی تھی۔

جو ضد کر کے ڈھاکہ یونیورسٹی میں پڑھنے آئی تھی مگر اس دوران اسے بہت سے طعنوں تشنوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا:

"ہوں تو یہ ہیں نزرل چچا کی بھتیجی اس نے اپنے دل میں کہا۔ بابا فون سننے کے لیے اٹھ گئے تھے۔ جب اس سے شستہ انگریزی میں پوچھا گیا کہ تم مغربی پاکستان کے کس حصے سے آئی ہو۔

لاہور سے۔ اس نے جواب تو ضرور دیا پر سوچا اگر یہ اسی گھر کا فرد ہے تو کیا اسے نہیں معلوم؟

"تو گویا حکمران طبقے سے آئی ہیں۔"

Vol. 2, No. 4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مانوس سے اس محبت بھرے ماحول میں طنز بھری مسکراہٹ کی تلخی لیے یہ جملہ پہلے تو اسے سمجھ ہی نہ آیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسے یہ جملہ عجیب لگا تھا۔ایک لمحے بعد جب اسے سمجھ آئی تو اس کے دل پر جیسے ایک تیر سا لگا۔"28

ناول کی مصنفہ سلمی اعوان خود تعلیم کے سلسلے میں مشرقی پاکستان گئیں اور پھر 1970 میں ڈھاکہ سے واپس آگئیں۔ ڈھاکہ میں قیام کے دوران پیش آنے والی داخلی اور خارجی کیفیات کو انھوں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے ناول "تنہا" میں پیش کیا ہے۔

سلمٰی اعوان نے سفر نامے بھی لکھے ہیں۔ناول "تنہا" میں یہ رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ناول میں خوبصورت جذبات، جغرافیائی معلومات، قدرتی مناظر اور ثقافتی رنگوں کے ساتھ ساتھ تاریخی حقائق کو نہایت مہارت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ یہ ناول المیہ مشرقی پاکستان کے حوالے سے ایک تاریخی دستاویز کی حثیت رکھتا ہے

حوالہ جات

1:عبادت بریلوی، ڈاکٹر، پاکستان کے تہذیبی مسائل، لاہور: ادارہ ادب و تنقید، 1979ص 92

2: قیصر قصری و دیگر (مرتبین)، وطن کا قرض، کراچی: ایوان ادبیات، 1991، ص 13

3: لیفٹینینٹ جنرل کمال متین الدین، مشرقی پاکستان کا بحران: غلطیوں کا المیہ، واجد علیز، لاہور 1994ص 219

4: افراسیاب مہدی ہاشمی قریشی، سقوط ڈھاکہ 1971، حقیقت کتنی افسانہ کتنا، مترجم نذر حسین کاظمی، اشاعت 2018ص 81

5: صفدر محمود، ڈاکٹر، سقوط مشرقی پاکستان لاہور: مکتبہ میری لائبریری 1982، ص 42

6: صدیق سالک، میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، لاہور: الفیصل ناشران 2010، ص 61

7: بشیر منصور، ڈاکٹر، سقوط مشرقی پاکستان اور اُردو ادب لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2018، ص 23

8: توصیف احمد خان، آدھا پاکستان لاہور: نگارشات، 2004، ص 78

9: جمیل جالبی، ڈاکٹر، ادب، کلچر اور مسائل، کراچی: رائل بک کمپنی، 1991ء ص 27

10: سلمٰی اعوان، تنہا، لاہور: مقبول اکیڈمی، 1989، ص 81

11: ایضا، ص 243

12: ایضا۔ ص 44

13: ایضا۔ ص 213

14: ایضا۔ ص 132

15: ایضا۔ ص۔ 11

16: ایضا۔ ص 44

17: صدیق سالک، میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، لاہور: الفیصل ناشران، 2010ص 5

18: سلمٰی اعوان، تنہا، لاہور: مقبول اکیڈمی، 1989، ص 146

19: ایضا۔ ص۔ 213

20: ایضا۔ ص۔ 87

21: ایضا۔ ص 51

22: ایضا۔ ص 53

23: ایضا۔ ص۔ 53

24: ایضا۔ ص 54

25: ایضا۔ ص 56

26: ایضا۔ ص 57-58

27: ایضا۔ ص 64

28: ایضا۔ ص 69